یادگار یادیں اور تاثرات

حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب

روشن خیال مبلغ اسلام، مفکر اسلام، بے باک صحافی، مؤثر مقرر اور صبر و تحمل کا مثالی کردار

از کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالسلام خان، امریکہ

حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب نے قریباً 50 سال مضمون نگاری کی۔ آپ ہفتہ وار ''لائٹ'' کے علاوہ ''مسلم ری ویو'' (سہ ماہی رسالہ جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سن تیس کے عشرہ میں شائع کرتی رہی) ''اسلامک ریویو'' لندن کے آپ ایڈیٹر رہے۔ اور لاہور کے مؤقر انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ جس کے بانی ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹز تھے اور جس کو چار چاند لگانے والے برطانیہ کے مشہور مصنف اور صحافی روڈیارڈ کپلنگ تھے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ہفتہ اُردو ترجمان ''پیغام صلح'' میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ گاہے بہ گاہے دیگر اخباروں مثلاً ''نوائے وقت'' میں بھی آپ کی قلمی کاوشیں شائع ہوئیں۔ روزنامہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' لاہور کے جائنٹ ایڈیٹر (50-1948) اور 1950ء کے بعد ایڈیٹر رہے اور اس دوران اسلامی تاریخ کے ممتاز کرداروں پر مشتمل انگریزی میں آپ کی دو کتابیں Daughter of Samyrna اور The Golden Deeds of Islam کافی مقبول رہیں۔ اسی دوران آپ پاکستان نیوز پیپرز اینڈ ایڈیٹرز کانفرنس کے صدر بھی رہے۔ آپ نے شیخ محمد اشرف ناشر کتب، لاہور کی فرمائش پر قائداعظم کی سوانح عمری بھی ایک کتابچہ کی شکل میں لکھی۔ شاہجہان مسجد، ووکنگ کی امامت کے دوران آپ نے حضرت مولانا محمد علی کیا اُردو کتب ''سیرت خیر البشر'' اور ''خلافت راشدہ'' کے انگریزی تراجم جو Muhammad the Prophte اور TheEarly Caliphate سے شائع ہوئیں وہ بھی آپ کے انگریزی زبان پر مکمل عبور ہونے کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔ اسی طرح خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب ''رازِ حیات'' کا انگریزی میں ترجمہ جو Secret of Existence کے نام سے شائع ہوئی۔

سن تیس کی دہائی میں آپ نے جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب سے مل کر ''سپین فنڈ'' کا آغاز کیا اور تمام احباب جماعت اور قارئین ''لائٹ'' نے بلاتفریق اس میں دل کھول کر حصہ لیا۔ مگر سپین میں خانہ جنگی کے باعث منصوبہ ملتوی کرنا پڑا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی، مجدّد وقت اور بانی سلسلہ احمدیہ کے بارے میں انگریزی میں A Quest for God کے نام سے کتابچہ لکھا جس میں حضرت مجدّد وقت کے نئے علم کلام اور روحانی بصیرت کی نمایاں خصوصیات کو اُجاگر کیا۔

انگریزی مقولہ ہے:

The Dead make the longest demands یعنی فوت شدہ بزرگوں کے احسان کا قرض ادا کرنا بڑا صبر آزما کام ہے۔ مگر بہرکیف یہ ایک ایسا فرض اور ایسا قرض ہے جو ادا کرنا ہے اور اب جبکہ میں بھی زندگی کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد اس شعر کا مصداق ہو گیا ہو۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نہ باگ ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

اپنے ناتواں ہاتھوں سے قلم اٹھایا ہے اور اپنے والد محترم کے انمٹ نقوش کو صفحۂ قرطاس کے حوالے کر دوں پھر نہ جانے یہ موقع نصیب ہو یا نہ ہو۔ سوچا کہ آنے والی نسلوں کو اس تاریخی موڑ کا کچھ فلیش بیک دکھا دوں تا کہ ان کو ان نازک مرحلوں کا کچھ اندازہ ہو سکے جو مسلمانوں نے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کی اور پاکستان حاصل کیا۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

اور بقول علامہ اقبال انہیں احساس دلا دوں کہ

کبھی اے نوجواں مسلم تصور بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

کاتب تقدیر کے وارے نیارے جایئے کہ اس وطن عزیز کی آبیاری کے لئے انیسویں صدی میں ہی آسمان سے سعید روحوں کا نزول شروع ہو گیا تھا۔ ایک چمکدار ستاروں کا جھرمٹ گویا آسمان سے اتر آیا تھا۔ کس کس کا نام لیجئے۔ سرسید و شبلی، حالی و اکبرالہٰ آبادی، جناح و اقبال، مولانا محمد علی اور شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، عبیداللہ سندھی اور جمال الدین افغانی۔ ایک بہت لمبی فہرست ہے اور انہی سعید روحوں میں جناب ڈاکٹر فرید بخش (جنہیں بجا طور پر پنجاب کا سرسید کہا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے ایک نہایت پسماندہ علاقہ میں علم کی روشنی پھیلائی) بھی ہے۔ ذرا قدرت کی کارروائی اور روح محمدؐ کی جلوہ آفرینی دیکھئے کہ کجا فرنٹیئر کا ایک پٹھان اور کجا لدھیانے کا ایک آرائیں مگر بمثل آیت قرآنی فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (3:102) (تو پھر تم اس

نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے)۔ یہ دونوں وجود گلشن کے نونہالوں کی آبیاری کے لیے ایسے اکٹھے ہوئے کہ تادم مرگ، قریب ساٹھ سال کے لمبے عرصے پر محیط، یہ دوستی قائم رہی۔

سبحان اللہ سبحان اللہ! کیا بابرکت وجود تھے۔ کس طرح پردہ ہستی پر چمکے۔ کس طرح اپنی زندگیاں ملک وقوم پر نچھاور کر دیں اور کس طرح مرد مومن کی طرح مسکراتے ہوئے خاک تلے چلے گئے بقول اقبال:

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

خامہ انگشت بدنداں ہے کہ والد صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب خان جیسے صبر و وفا کے پیکر اور محبت و شفقت کے بحر بیکراں کو جس کی نوازشوں اور عنایات کا سلسلہ قریب نصف صدی پر محیط رہا۔ کس طرح ایک وسیع خاکہ کو کوزہ میں بند کروں۔ بزبان اقبال:

دختر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

جب سے ہوش سنبھالا، 1928ء سمجھئے تا 1971ء، جب میں قبلہ والد صاحب کا آخری دیدار کر کے اپنے سمندری سفر برائے امریکہ و کینیڈا روانہ ہوا۔ والد صاحب کے نورانی چہرہ کو چراغ راہ پایا۔ کہتے ہیں ولی وہ ہوتا ہے جسے اہل خانہ ولی سمجھیں۔ اس اعتبار سے یقیناً حضرت مولانا ایک ولی اللہ تھے۔ ترک وطن کر کے فرنٹیئر سے لاہور آ کر سکونت اختیار کر لی تھی (شاید 1910ء میں) اور پھر تمام عمر پنجاب میں رہ کر قوم کی خدمت کی ''غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں''۔ مرحوم کی وفات حسرت آیات کی خبر مانٹریال، کینیڈا میں دسمبر 1972ء میں بذریعہ تار پہنچی اور کچھ دیر تک تو میں ساکت و جامد پچھلی نصف صدی کے واقعات کو ذہن میں لاتا رہا اور قرآن کریم کی یہ آیت زبان پر تھی: **کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام**۔(55:20)

محبت وشفقت کے اس دریا کی یہ خوبی تھی کہ ہر کس وناکس سے حسن سلوک پیہم جاری رکھتا تھا۔ میرے ہوش سنبھالتے ہی والدہ صاحبہ فالج کی وجہ سے معذور ہو گئی تھیں اور مجھے اپنی ہوش میں یاد نہیں کہ میں نے انہیں چلتے پھرتے دیکھا ہو۔ اس دوران میں گویا 45 سال تک والد صاحب نے اپنی زندگی ہم چھ بھائی بہنوں کے لئے وقف کئے رکھی اور والد اور والدہ دونوں کا کردار ادا کیا۔ طبیعت میں بے حد شگفتگی تھی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صبر و تسلیم و رضا کا یہ حال تھا کہ پے در پے خانگی صدمات بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔ قبلہ ماموں جان جناب نصیر احمد صاحب فاروقی سابق الیکشن کمشنر حکومت پاکستان کہا کرتے تھے کہ ہم نے صبر ایوبی تو سنا تھا مگر صبر یعقوبی بچشم خود دیکھ لیا۔ کیسی ہی غم و یاس کی گھٹا کیوں نہ چھائی ہو۔ حالات کیسے ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہوں یہ صبر و تحمل اور وقار کا پیکر اپنے ہر حاضر محفل کا دِل بڑھاتا اور گرماتا تھا۔ ہر لحظہ ایک ایسا سرور جو یقین و ایمان اور پاکیزگی اور سچائی سے پیدا ہوتا ہے، آپ پر طاری رہتا تھا اور پاس بیٹھنے والے آپ کے وجود سے طمانیت و سکینت کی لہریں نکلتی محسوس کرتے تھے۔

وہ ہنستا مسکراتا جگمگاتا
بھول جاؤں جسے وہ رخ ایسا تو نہ تھا

خودی کا یہ عالم تھا کہ بزرگوارم ڈاکٹر فرید بخش صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ

''خودی کا مطلب تو ہم نے خان صاحب سے سیکھا!''

اولاد کے ساتھ اتنی گہری کمٹمنٹ تھی کہ جب وہ لمحہ 1946ء میں خاکسار کی آل انڈیا مقابلہ میں نیوی میں داخلہ کے امتحان میں کامیابی کی تار سیکرٹری آف سٹیٹ برائے انڈیا سے والد صاحب کو پہنچی اور ساتھ ہی ایک خطیر رقم کا مطالبہ کہ فلاں تاریخ تک یہ رقم برائے ادائیگی اخراجات بینک میں جمع کرا دو تو بلا توقف اپنی زندگی کا تمام اندوختہ نکلوا کر بینک میں جمع کروا دیا۔ لوگ حیران تھے کہ خان صاحب ریٹائرمنٹ کے بعد کیسے گزارا کریں گے کیونکہ پنشن کی سہولت حاصل نہ تھی مگر توکل علی اللہ کا ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا کہ حالات کا فلیش بیک دیکھتا رہا۔ جہاز کے عرشہ پر کھڑا چار چار فٹ برف کے اندر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تار کو بار بار پڑھتا تھا اور یہ شعر زبان پر آیا:

ستارہ بدرخشید و ماہ مجلس شد
دل رمیدہ ما را انیس و مونس شد

(ایک ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بن گیا اور ہمارے وحشی دِل کے لئے انیس و مونس ہو گیا!) موت کے عقدہ لاینحل اور کڑوے پیالے کا خیال آیا تو عمر خیام کا یہ قطعہ یاد آ گیا:

از جرم گل سیاہ تا اوج زحل
کردم ہمہ مشکلات گردوں را حل
بگشا دم بند ہائی مشکل بہ حیل
ہر بند کشادہ شد، بجز بند اجل

جس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کچھ یوں ہوتا ہے:

پاتال کی کالی مٹی سے تا اوج زحل
ہر مسئلہ گردوں کو کیا میں نے حل
ہر عقدہ مشکل کو کیا میں نے صاف
ہر بند کھل گیا، بجز بند اجل

From Earth's dark clay to Saturn's heavenly round
To every tricky question a solution I've found:
An answer to every problem with strategem I sought.
Unravelling many a plot.... except death's tricky knot!

پیر پیائی میر عالم خان بابڑ اور ان کی اہلیہ کے گاؤں میں پتھروں اور گارہ سے بنے ہوئے مکان کے کمرہ میں پیدا ہونے والا یہ نونہال ستارہ مسلسل ساٹھ سال کے ہاں تک سب ملنے والوں کے لئے انیس و مونس ثابت ہوا۔ ہر زخمی دل پر اپنی محبت وشفقت، توجہ و خدمت کا پھاہا رکھا اور ہر افسردہ روح کو اپنی روح پرور

کلمات سے گرماتا رہا۔

انہیں خدا تعالیٰ نے نہ صرف ایک محبت بھرا دِل عطا کیا بلکہ ایک ایسا قلم بھی جو مسلسل ساٹھ سال قوم و ملک کی خدمت میں چلتا رہا۔ آخری دنوں میں جب ہاتھوں میں سکت نہ رہی تھی تب بھی ٹیڑھی میڑھی ٹوٹی ہوئی سطروں کے ذریعہ یہ جہاد جاری رکھا۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
گو اس میں دونوں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

خوب ہوگا کہ والد صاحب کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ کچھ تذکرہ والدہ صاحبہ زبیدہ بیگم دختر نیک اختر محترم ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا ذکر بھی کر دوں جو 1918ء میں والد صاحب کے نکاح میں آئیں۔

اس وقت سے جب سے میں نے لڑکھڑاتے ہوئے چلنا شروع کیا اور گرد و پیش کی دنیا کو حیرت کی نظر سے دیکھا تا ان کے دم مرگ (1975ء) چوٹی کے لاہور کے ڈاکٹروں نے انہیں چھ ماہ زندگی کی مہلت دی تھی مگر وہ چھیالیس سال زندہ رہیں اور ان سب ڈاکٹروں سے لمبی زندگی پائی۔

وہ اس عظیم قلمکار اور صحافی، ماہر تعلیم اور مبلغ اسلام کے زوجہ تھیں جو کہ ''لائٹ'' کے ایڈیٹر رہے، پھر سول اینڈ ملٹری گزٹ کے پہلے نان برٹش ایڈیٹر رہے۔ مشہور عالم شاہجہان مسجد، ووکنگ کے امام رہے اور اسلامک ریویو، لندن کے ایڈیٹر بھی رہے۔ 'مقام حیرت ہے کہ انگلستان میں اسلام کی نمائندگی ایک پیر پیائی کے باشندے کے حصہ میں آئی ہے! سر آلف کیرو سابق گورنر سرحد اپنا سر حیرت سے ہلا کر کہا کرتے تھے! وہ قائداعظم کے ساتھیوں میں سے تھے اور جن کا قلم کبھی بک نہ سکا۔ ہر عظیم انسان کے پیچھے ایک عظیم عورت ہوتی ہے اور یہ دونوں قابل قدر وجود، جو کہ اپنی بیک گراؤنڈ اور کلچر کے لحاظ سے بعد المشرقین تھے باہم مل کر ایک ٹیم بن گئے اور جن کے ہاتھوں نے بہت سی نسلوں کو پالا اور آدمی سے انسان بنایا۔ ان کی ازدواجی زندگی ترپن سال لمبے عرصے پر محیط تھی۔

اس لمبے سفر میں بڑے کٹھن اور دشوار گزار مقام بھی آئے، اموات، بیماریاں، مصیبتیں، مگر ان دونوں نے ہم سب بہن بھائیوں کو سنبھالے رکھا اور زندگی کے دریا میں تیرتا رکھا۔ اگر ہم بھائیوں میں آج کوئی تھوڑی سے اچھائی ہے تو یہ سب ان کی محبت کا اثر ہے۔

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

میں نے والد صاحبہ کو کبھی زیور پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کی سونے کی چوڑیاں 1922ء میں برلن مسجد، جرمنی کے میناروں کی تعمیر میں لگ گئیں اور پھر دوبارہ نہ بن سکیں۔ وہ ہمیشہ موٹا موتی کا کپڑا پہنتی تھیں اور اس لحاظ سے وہ سرحدی گاندھی اور مسعود کھدر پوش کی پیشرو قرار پاتی ہیں۔ چہار دانگ عالم سے نفیس کپڑے ان کے لئے آتے تھے وہ جلد ہی ضرورت مند عورتوں میں تقسیم کر دیتیں۔ ایک دفعہ میں نے اپنی ماہوار تنخواہ کا بیشتر حصہ ان کے لئے میسور سے ہاتھ کا بنا ہوا اسلک کا سوٹ لانے پر خرچ کر دیا مگر میں نے انہیں کبھی یہ سوٹ پہنے ہوئے نہ دیکھا۔ یہ بھی اسی راہ گیا جس میں کہ ہمارے پہلے تحائف گئے۔ فی سبیل اللہ!

اپنی زندگی میں انہوں نے فقط ایک رول کا انتخاب کیا یعنی ایک اچھی ماں کا! ہم سب یعنی بچوں، پوتوں، نواسوں، گاؤں کی عورتوں کے لئے وہ ''اماں جی'' تھیں۔ کوئی بھی مصیبت ہو، کوئی بھی ضرورت ہو، اماں جی ہمیشہ موجود ہوتی تھیں جن کی طرف ہم فریاد لے کر جا سکتے تھے۔ جن کے کندھے پر ہم رکھ کر رو سکتے تھے اور جن کے پیار کی گھنی چھاؤں میں ہم دماغی سکون پاتے۔

جتنی مساوات اور جمہوریت کی روح والدہ صاحبہ میں میں نے دیکھی وہ دنیا کے کسی کونے میں کسی فرد میں کم ہی نظر آتی ہے۔ دنیاوی رتبوں اور روجاہت کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ ان کا چھوٹا بھائی ترقی کے منازل طے کر کے پاکستان کے اعلیٰ ترین سول سروس کے عہدے تک پہنچ گیا مگر ان کی نظروں میں وہ بچہ ہی رہا جو بچپن میں تھا اور اس سے ہمیشہ زیادہ بے تکلف ''تم'' کے لفظ سے خطاب کرتیں۔

وہ باطنی طور پر ایک صوفی خاتون تھیں اور اس معاملہ میں والد صاحب سے مشابہت رکھتی تھیں۔ آیا یہ ان کا صوفی پن تھا جو کہ والدہ پر اثر کر گیا تھا۔ یا اس سے برعکس معاملہ تھا یہ مجھے کبھی بھی معلوم نہ ہو سکا۔ مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ رات پچھلے پہر اٹھ کر اپنے خدا سے گہرے راز و نیاز کرتی تھیں۔ ان کی اکثر دعائیں اجابت کے درجہ کو پہنچ جاتی تھیں اور کئی دفعہ آنے والے واقعات کی خبر انہیں رویا کے ذریعہ مل جاتی تھی۔

جب ان کے جیون ساتھی نے 1972ء میں انہیں داغ مفارقت دیا تو انہوں نے اپنی توجہ کو اس دنیا سے بالکل ہٹا لیا گویا کہ وہ اپنے ابدی سفر کی تیاری میں لگ گئیں۔ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اکثر خیالات میں کھوئی کھوئی نظر آتی تھیں۔ اپریل 1975ء کی ایک سہانی رات کو چھیالیس سالہ بیماری کی ابتلا جھیلنے کے بعد وہ نہایت آرام سے نیند میں ہی اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئیں۔ مجھے تہران آفس کے ذریعہ ان کی وفات کا وائرلیس پیغام اس وقت ملا جبکہ میں ایک ایرانی جہاز ''ایران'' کو براستہ کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) لے کر امریکہ جا رہا تھا۔

چھ مختلف قومیتوں کے افسر اور عملہ ان کی ترحیم کے لئے قرآن خوانی میں شامل تھا جو جہاز کے میس روم میں منعقد ہوئی جبکہ جہاز بحر اوقیانوس کے وسط میں عازم سفر تھا۔ سبحان اللہ! کیا خدائی تصرف تھا کہ جس ہستی کو چھیالیس سال چارپائی پر لٹائے رکھا اس کی روح کے ایصال ثواب کے لئے چھ مسلمان ممالک کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا۔ وہ دِل جو بحر اوقیانوس کی طرح وسیع، گہرا اور ٹھہرا اور کھتا تھا، اسے خراج عقیدت بھی بحر اوقیانوس کے سینہ پر دیا گیا۔ سبحان اللہ!

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس در کی نگہبانی کرے

باقی آئندہ